63

ایمان کی حفاظت کرو

(فرمودہ ۱۴؍ نومبر ۱۹۱۹ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد آیت شریفہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران: ۹) پڑھی اور فرمایا:-

"انسان کے لیے اس دُنیا میں بہت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے انسانی زندگی کا مطالعہ کرنیوالوں نے ضرب المثل کے طور پر نتیجہ نکالا ہے کہ انسانی زندگی کوئی پھولوں کا بستر نہیں۔ بلکہ یہ ایک محنت اور کوشش کا زمانہ ہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انہیں ایسی زندگی ملے جو غموں سے خالی ہو۔ وہ نادان ہیں۔ کیونکہ غموں اور فکروں سے خالی وہی زندگی ہو سکتی ہے۔ جو جہالت اور نادانی کی زندگی ہو۔ ورنہ دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہے۔ یا تو دنیاوی معاملات کی اُلجھن لگی ہوگی۔ یا دینی کاموں کا خیال ہوگا۔ بالفاظ دیگر یا تو ایک انسان خدا سے غافل اور ہر طرف اس کے دنیا ہی دُنیا ہوگی۔ ایسا شخص دنیا کی ترقی میں لگا ہوگا۔ اس صورت میں بھی زندگی امن سے نہیں گزر سکتی کیونکہ عزت و رُتبہ بغیر محنت اور جدوجہد کے حاصل نہیں ہوتا۔ اور پھر جس کو دُنیا میں کوئی رُتبہ اور عزت حاصل ہو گئی ہو۔ اس کے لیے بھی ضرورت ہے۔ کہ اس کے قیام کے لیے محنت و فکر سے کام لے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص دنیا کو ہیچ سمجھتا ہو۔ اور وہ خدا ہی کے لیے ہو گیا ہو۔ تب بھی اس کو وہ آرام میسر نہیں آئیگا جس کو جاہل لوگ آرام خیال کرتے ہیں۔ اُسے اپنے نفس سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اپنی خواہشات کو دبانا پڑتا ہے۔ دشمنوں کی شرارتوں اور تکلیفوں کو اُٹھانا پڑتا۔ اور پھر اس کو یہی فکر دامنگیر رہتی ہے۔ کہ دیکھئے موت کس وقت آتے۔ اور مجھے کس حال میں پاتے۔ جب وہ ایک مقام پر پہنچتا ہے۔ تو اس کو یہی فکر رہتی ہے کہ یہ مقام قائم رہے۔ اور اس سے اگلا حاصل ہو۔ پس جس طرح ایک دنیا دار کے لیے فکر ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اہل اللہ کے لیے بھی فکر ہوتی ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ زندگی جس کو لوگ آرام کی زندگی خیال کرتے ہیں۔ نہیں ملتی۔ وہ زندگی آرام کی زندگی نہیں

بلکہ جہالت اور بے ہوشی کی زندگی ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک شخص کو کلورا فارم سنگھادی جائے کیا اس کے متعلق کہیں گے کہ وہ اطمینان کی حالت میں ہے۔ یا ایک شخص افیون کھاتا ہو اور اس کی پینک میں ہو۔ یا ایک شراب نوش کو شراب نے مدہوش کر رکھا ہو۔ اس کو اطمینان کی زندگی کہا جائیگا نہیں۔ بلکہ ان کی زندگی کو جہالت اور ناواقفیت اور بے خبری کی زندگی کہیں گے۔

پس آرام کی زندگی وہ زندگی ہے جو اصلی مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد میں گزرتی ہے۔ اور وہ آرام کی زندگی ہے جس میں انسان مدعا کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ جو لوگ دین کے لیے کوشش کرتے ہیں اور اپنے مقصد کے قریب ہوتے جاتے ہیں وہ بھی آرام میں ہیں۔ اور جو دُنیا کے لیے کوشش کرتے ہیں اور اپنے مقصد کے قریب ہوتے ہیں۔ وہ بھی آرام کی زندگی میں ہیں۔ مگر جو لوگ دین و دُنیا دونوں کے متعلق کوشش سے دست بردار ہوتے اور محنت سے جی چُراتے ہیں وہ آرام میں نہیں ہوتے ان کی مثال تو اس کبوتر کی ہے۔ جو بلّی کو آتا دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ کہ یہ بھی تکالیف اور محنتوں سے بچ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ دُنیا میں تکالیف تو ہوتی ہی ہیں کہیں رشتہ داروں کی تکالیف ہیں کہیں ذاتی تکالیف ہیں۔ بیماریاں ہیں۔ کہیں اپنی پوزیشن کے قائم کرنے کا خیال ہوتا ہے۔ ان سب کے لیے محنت و تفکرات کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن نادان چاہتے ہیں کہ ان سے بچ جائیں۔ حالانکہ ہر ایک خوشی محنت کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ دُنیاوی معاملات میں بھی اور دینی معاملات میں بھی موت تک یہی سلسلہ رہتا ہے۔

نبیوں کو بھی دُنیا میں اس قسم کا آرام نہیں ہوتا۔ جیسا کہ جہلاء چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرا خیال تھا کہ جان کنی کی تکلیف (نعوذ باللہ) صرف انہی لوگوں کو ہوتی ہے جو خدا سے بے تعلق ہوتے ہیں۔ اور یہ تکلیف ایک عذاب کے طور پر ہوتی ہے، لیکن میں نے اپنے اس خیال کو اس دن چھوڑا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ کیونکہ میں نے وہ وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سخت کسی پر نہیں دیکھا[۱]

پھر ہم دیکھتے ہیں۔ حضور اس دن تڑپتے ہیں۔ اور بار بار کہتے ہیں لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنا لیا[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت مشکوٰۃ کتاب الفتن باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[۲] طبقات ابن سعد جزو ۴ صفحہ ۵۶

وفات کے وقت بھی ایک تکلیف تھی، لیکن اپنی ذات کے متعلق نہ تھی۔ کہ آپ فوت ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کے لیے تو آپ فرماتے ہیں۔ بالرفیق الاعلیٰ۔ مَیں تو اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ ہاں فکر ہے تو اس بات کی۔ اور غم ہے تو اس امر کا کہ کہیں آپ کی اُمت یہود کی مانند نہ ہو جاتے۔ اور جیسا کہ یہود نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد بنالیا۔ کہیں آپ کی قبر کو بھی مسجد اور عبادت گاہ نہ بنالیں۔ اور آپ کی پرستش شروع نہ کردیں۔ آپ کو اس امر کی تکلیف تھی۔ کہ کہیں آپ کے بعد آپ کی اُمت شرک میں مبتلا نہ ہو جاتے۔

پس جب آپ تکالیف سے نہ بچ سکے۔ تو اور کون ہے۔ جو بچ سکے۔ دُنیا کی تکلیفیں اور کاوشیں اور محنتیں انسان کی زلیست کے رستہ میں ہی نہیں، بلکہ خُدا کے رستہ میں بھی یہی سلسلہ ہے۔ جب تک انسان محفوظ نہ ہو جاتے۔

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے کچھ حاصل نہیں کیا ہوتا۔ حاصل کر لینے والوں کے لیے خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جنہوں نے آرام نہیں پایا ہوتا، لیکن جنہیں آرام میسر ہو چکا ہو۔ ان کے لیے بے آرامی کا برداشت کرنا سخت مشکل ہوتا ہے۔ دیکھو عام طور پر جنگل میں ایسا آدمی نہیں لٹتا جو چوکنا ہو۔ مگر برخلاف ازیں جب انسان گھر کے قریب آکر خیال کر لیتا ہے کہ مَیں محفوظ ہوں۔ تو اس وقت چور اس کو لوٹ لیتے ہیں۔ پس اسی طرح جب انسان کو ہدایت ملتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے۔ کہ اس کی حفاظت کرے جو لوگ ہدایت پاکر غافل ہو جاتے ہیں۔ وہ ہدایت کو کھو دیتے ہیں۔ کیونکہ دنیا سونے اور آرام کی جگہ نہیں یہاں جس کو کچھ ملتا ہے۔ اور جس پر کوئی انعام ہوتا ہے۔ اس کو ورغلانے والے بھی ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے دُعا سکھلائی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا کہ الٰہی ہدایت کے بعد ہمارے دلوں میں زیغ پیدا نہ کر دینا۔ پھر اسی لیے یہ تعلیم دی کہ پانچ وقت نماز میں دُعا کیا کرو۔ غیرالمغضوب علیہم ولا الضالین یہ دُعائیں اسی لیے ہیں کہ جب انسان کو ہدایت مل جاتی ہے۔ تو وہ خیال کر لیتا ہے۔ کہ اب مَیں امن میں آگیا ہوں۔ حالانکہ وہ اس وقت زیادہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اسی شخص کے گرنے کا احتمال ہوتا ہے۔ جو کسی چیز پر سوار ہو کسی شاعر نے اس بات کو اس طرح نظم کیا ہے۔

گرتا ہے شہ سوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گریگا۔ جو گھٹنوں کے بل چلے

یعنی بچہ نے کیا گرنا ہے۔ جو کہ پہلے ہی گھٹنوں کے بل چلتا ہے۔ گرتا تو وہی ہے۔ جو بلندی پر ہو۔ ایک ایسا شخص جو ہر روز محنت کر کے اپنا اور اپنے بال بچوں کا روزانہ خرچ مہیا کرتا ہے۔ اگر اس کے گھر چور پڑے تو اس کا نقصان نہ ہوگا۔ اور اگر ہوگا۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ ایک وقت کی خوراک جاتی رہے گی۔

اس غریب کے لیے وقت کا فاقہ برداشت کرنا کچھ بھی مشکل نہیں مگر دوسرا شخص جو ناز و نعمت میں پلا ہو۔ نرم اور گرم بستروں پر سونے کا عادی ہو۔ اگر اس کے گھر چور آ پڑیں۔ تو اس کا بہت نقصان ہوگا۔ اور اس کی زندگی تلخ ہو جائیگی۔ کیونکہ آرام کے بعد تکلیف سخت معلوم ہوا کرتی ہے۔

پس جنہوں نے کسی قدر ترقی کی ہے۔ وہ زیادہ خطرے میں ہیں۔ ان لوگوں کی نسبت جنھوں نے کوئی ترقی حاصل ہی نہیں کی۔ کیونکہ گرنے کا خطرہ ترقی یافتوں کے لیے ہے۔ دوسروں کیلئے نہیں۔

دوسری وجہ ترقی یافتہ لوگوں کے خطرے میں ہونے کی یہ ہوتی ہے۔ کہ ان کو نعمت کے گم ہونے کا پتہ نہیں لگتا۔ جو لوگ ترقی کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ایک قسم کی غفلت ان کو پکڑ لیتی ہے جس کے زیر اثر وہ چیز کے گم ہونے سے بے خبر رہتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ ان سے وہ نعمت گم ہوتی رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ کہیں سے کہیں چلے جاتے ہیں۔ اور اس بیماری کو محسوس بھی نہیں کرتے حتیٰ کہ مرض ان کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں ان کے ایمان کو ضائع کرتی رہتی ہیں اور وہ غافل رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کا سارا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ ایک بھوکا اگر جنگل میں جا رہا ہو۔ تو وہ کوشش کریگا، کہ کسی آبادی میں جائے اور کھانا مہیا کرے لیکن وہ شخص جو ہر قسم کے کھانے گھر سے پکوا کر ساتھ لے چلا ہو۔ مگر راستہ میں وہ گم ہو گئے ہوں جس کا اُسے علم نہ ہو۔ تو وہ آبادیوں میں سے گزرے گا۔ مگر اپنے کھانے کے لیے کچھ فکر نہ کریگا۔ کیونکہ باوجود کھانا پاس نہ رکھنے کے اسی خیال میں ہوگا۔ کہ اس کے پاس کھانا ہے۔ پس حاصل کرنے والا ہی کھوتا ہے۔ جس نے حاصل ہی کچھ نہ کیا ہو۔ وہ کیا کھوئیگا۔

پس میں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی حالت کا محاسبہ کرتے۔ اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے دُعائیں کرتے رہا کریں۔ کیونکہ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ خطرہ میں ہیں۔ ان پر یہ خدا کا فضل ہے۔ کہ انہوں نے مسیح موعود کو قبول کیا۔ اور اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اعمالِ صالحہ کے دروازے کھول دے۔ لیکن اگر یہ غفلت کریں۔ تو ان کے لیے بہت خوف کا مقام بھی ہے۔ کیونکہ آیندہ کے لیے کوشش اور موجودہ حالت میں ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ پس آپ لوگوں کیلئے یہ ایسا موقع ہے کہ پھونک پھونک کر قدم رکھیں۔ اور دیکھتے رہیں کہ کہیں ایمان جاتا تو نہیں رہا۔

حضرت موسیٰ کے قصہ میں اس کی مثال موجود ہے اور حضرت اقدس مسیح موعود اس قصہ کو بارہا بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ جب مصر سے نکلے۔ تو راستہ میں عمالیق سے مقابلہ آن پڑا۔ ان کے بادشاہ کو خطرہ ہوا کہ ہم شکست کھا جائیں گے۔ ان کے ہاں ایک بزرگ تھا۔ بادشاہ نے اس سے دُعا کی درخواست کی۔ اس نے دُعا کی۔ تو خدا کی طرف سے الہام ہوا کہ موسیٰ خدا کا نبی ہے۔ اس کے خلاف دُعا نہیں کرنی چاہیئے۔ اس نے بادشاہ

کو کہدیا کہ موسیٰ کے خلاف دُعا نہیں ہو سکتی۔ جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ میری کوئی بات کارگر نہیں ہوتی۔ تو اس نے وہی چال چلی۔ جو آدم کو جنت سے نکلوانے کے لیے شیطان نے چلی تھی۔ کہ حوّا کے ذریعہ پھسلایا تھا۔ اسی طرح اس نے بہت سے زیورات وغیرہ تیار کرائے۔ اور موسیٰ کے برخلاف دُعا کرانے کے لیے اس بزرگ کی بیوی کو دیئے۔ اس نے تحریک کی۔ مگر اس بزرگ نے جواب دیا کہ موسیٰ خدا کا مقرب ہے اس لیے اس کے خلاف بد دعا نہیں ہو سکتی۔ مَیں نے کی تھی۔ مگر وہاں سے جواب مل گیا، لیکن وہ مُصر ہوئی۔ اور کہا کہ کیا ضرور ہے کہ اب بھی وہی حالات ہوں۔ تم بد دُعا تو کرو۔ آخر وہ رضامند ہو گیا۔ اس کو ایک جگہ لے گئے اس نے کہا کہ یہاں سینہ نہیں کھُلتا۔ اور اسی طرح دو تین جگہ گیا۔ آخر چونکہ اسکا ایمان جانا تھا۔ اس نے بد دُعا کی۔ کہتے ہیں کہ جونہی اس نے بد دُعا کی موسیٰ کی قوم میں تباہی پڑ گئی۔ کیونکہ اس کے پہلے ایمان کا کچھ تو اثر ہونا تھا۔ اور ادھر اس کا ایمان کبوتر کی شکل میں اُڑ گیا۔ بیشک یہ ایک قصہ ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کبوتر ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح ایمان اس کے دل سے نکل گیا پس چونکہ ایمان محنت سے آتا ہے اور جاتا ایک فقرہ میں ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ انسان ہر وقت ہوشیار رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ میں تشریف لے گئے۔ جب لَوٹے تو غنیمت میں سے حضور نے مہاجرین کو کسی قدر مال زیادہ دیا۔ اور اس پر انصار کے ایک گروہ میں سے کسی نے کہہ دیا کہ خون تو ابتک ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے، لیکن مال لے گئے مہاجرین۔ اسی مجمع میں انصار میں سے ایک وہ شخص بھی بیٹھے تھے۔ جنہوں نے حضور کی صُحبت اُٹھائی تھی۔ وہ حضور کے پاس گئے اور خبر دی کہ ایک مجمع میں ایسی گفتگو ہوئی ہے۔ بعض لوگوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ جب ان کے عزیز سے کوئی غلطی ہو تو وہ اس پر پردہ ڈالا کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا۔ اور کہا کہ مَیں نے اس قسم کی خبر سنی ہے۔ کیا یہ درست ہے۔ انہوں نے کہا کہ بے شک درست ہے۔ مگر یہ کہنے والے بڑے لوگ نہیں بچے ہیں۔ حضور نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے انصار تم کہہ سکتے تھے کہ یہ گھر سے نکالا ہوا اکیلا آیا۔ ہم نے اس کا ساتھ دیا اور اس وقت ساتھ دیا۔ جب اس کے وطن والے اس کے دشمن تھے۔ پھر ہم نے اس کے دشمنوں کو زیر کیا۔ اب جب یہ فتح یاب ہوا تو اس نے اپنے بھائیوں کو مال دیدیا۔ اور ہمیں کچھ نہ دیا۔ پھر فرمایا مگر اس کے مقابلہ میں تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ایک جنگ جس سے مہاجرین تو مال واسباب اور اونٹ وغیرہ لیکر گھروں کو گئے۔ اور مدینہ والے اللہ کے رسول کو ساتھ لے گئے۔ مگر اب جو الفاظ تمہارے منہ سے نکلے ہیں۔ ان کا نتیجہ تم سن لو۔ کہ دُنیا میں تمہارے لیے کوئی عزت نہیں۔ حوضِ کوثر پر ہی آکر مجھ سے مطالبہ کرنا۔ چنانچہ ان

لے بخاری کتاب مناقب الانصار

لفظوں کا نتیجہ دیکھ لو کہ تیرہ سو برس میں انصار کی کوئی بھی حکومت نہیں ہوئی۔

حالانکہ انصار وہ لوگ ہیں۔ جن پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا اعتبار تھا۔ غزوۂ حنین میں بعض نوجوانوں نے بڑا بول بولا۔ اور ان میں عجب آگیا۔ خدا تعالیٰ نے اس موقع پر ان کو تنبیہ کرنی چاہی۔ اور میدان میں ان کا قدم اکھڑ گیا۔ حالانکہ مسلمانوں کی تعداد اس وقت بارہ ہزار سے زیادہ تھی۔ اور دشمن کی تعداد دو تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اس وقت ایسی حالت ہوئی کہ صحابہ کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ ہمارے گھوڑے کدھر جا رہے ہیں۔ میدان میں اس وقت صرف رسول کریمؐ اور سات آٹھ اور شخص باقی رہ گئے تھے۔ اس وقت حضرت عباسؓ آگے بڑھے۔ اور آنحضرتؐ کے گھوڑے کی باگ کو پکڑ لیا اور کہا کہ حضور اب پلٹ چلیں۔ اب مقابلہ کا وقت نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ خدا کے نبی میدان میں آکر پیچھے نہیں ہٹا کرتے۔ چونکہ حضرت عباس کی آواز بلند تھی۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو کہا کہ انصار کو آواز دو کہ اے انصار تمہیں خدا کا رسول بلاتا ہے اس وقت جبکہ سب فوج تتر بتر ہوگئی تھی۔ آپ مہاجرین کو آواز نہیں دیتے۔ بلکہ آپ انصار کو پکارتے ہیں۔ حضرت عباس نے آواز دی۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہمیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا صور اسرافیل پھونکا جا رہا ہے اور یہ عباس کی آواز نہیں۔ بلکہ خدا کی آواز ہے۔ تمام لوگ پلٹ پڑے۔ اور گھوڑوں اور اونٹوں کو پیچھے پھیرنا شروع کر دیا۔ لیکن حالت اس وقت یہ تھی کہ اونٹ مہار کے کھینچنے سے دوہرے ہو ہو جاتے۔ لیکن واپس نہ پلٹتے۔ آواز دم بدم بلند ہوتی گئی۔ اس پر جو اونٹ اور گھوڑے پھرتے نہ تھے۔ ان کے سواروں نے تلواریں کھینچ کر ان کی گردنیں اڑا دیں۔ اور پیدل ہو کر حضور کی طرف آگئے[1]

پس اس واقعہ پر ابھی چند دن نہ گزرے تھے۔ کہ وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر ہوا۔ اور ان چند لفظوں نے کیا نتیجہ پیدا کیا؟ چونکہ انصار مومن تھے۔ اس لیے دنیاوی نتیجہ سے محروم رہے اور خدا نے ان کا ایمان بچا لیا۔ مگر دیکھو انہوں نے کن دقتوں سے یہ رتبہ حاصل کیا تھا۔ اور کھونے میں ذرا بھی دیر نہ لگی۔

پس بہت ہوشیار اور چوکس رہنا چاہیئے۔ کیونکہ برسوں میں حاصل کی ہوئی چیز منٹوں میں ضائع ہو جاتی ہے یاد رکھو۔ خدا کے مقابلہ میں علم کام نہیں آتے۔ دنیاوی اور دینی رتبہ بھی کچھ کام نہیں آتے۔ خاندان کام نہیں آتے۔ غرض خدا کے مقابلہ میں کوئی بڑائی کام نہیں آتی۔ اگر کوئی ان باتوں پر گھمنڈ کرتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔ چاہیئے کہ اللہ کے حضور میں انکسار ہو۔ اور ایمان کی حفاظت کے لیے کوشش اور دعا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی آنکھیں کھولے۔ اور آپ کو سمجھ دے۔ کیونکہ وہ ایمان جو برسوں میں حاصل ہوتا ہے سیکنڈوں میں ضائع ہو سکتا ہے۔ اگر اس کی حفاظت نہ کی جاتے۔"

(الفضل یکم دسمبر ۱۹۱۹ء)

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ حالات غزوۂ حنین